اقبال ریویو
جنوری ۱۹۷۲ء

اقبال اور جذبۂ آزادی(۱)

ڈاکٹر نذیر احمد

اس مقالے میں لفظ ''آزادی'' کو میں نے ذرا وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے - جس کا مفہوم نہ صرف سیاسی آزادی بلکہ فکری آزادی بھی ہے - البتہ اس مفہوم میں وہ بے اصولی آزادی شامل نہیں جسے انگریزی میں (licence) کہتے ہیں -

ایک عظیم شاعر کے کسی موضوع پر خیالات اور تفکرات کا مطالعہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس ماحول اور ان حالات کا جائیزہ لیں جن میں اس کی پیدائش اور نشو و نما ہوئی اور جنہوں نے اس کے دماغی ارتقا اور علمی زندگی پر اپنا اثر ڈالا - بالخصوص ہمیں ان حالات کا اچھی طرح جائیزہ لینا چاہئے جس میں شاعر نے اپنا بچپن اور عنفوان شباب گذارا - کیوں کہ ان وقتوں کے تاثرات بہت زیادہ وقیع اور دیرپا ثابت ہوتے ہیں - اور اس کے بعد جب دماغی ارتقا ایک بلند سطح تک پہونچ جاتا ہے اور خیالات میں پختگی آ جاتی ہے - تو بیرونی حالات مقابلۃً زیادہ اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ بعض دفعہ تو شاعر یہ کہنے پر اتر آتا ہے کہ :

دل مرا حیران نہیں ، گریاں نہیں ، خنداں نہیں

ہم کسی لحاظ سے بھی اقبال کے کلام کا مطالعہ کریں ، خواہ اس کے تخیل کی رسائی دیکھیں ، خواہ اس کے لطف گویائی کا مزہ چکھیں ، خواہ اس کے حسن کلام کی وسعت پرواز دیکھیں اور خواہ اس کے فکر نکتہ آرا سے کشف

---

۱ - یہ مقالہ اقبال اکادمی کے زیر اہتمام یوم اقبال کے موقع پر کراچی میں بتاریخ ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء پڑھا گیا -

ہر لحاظ سے ان کی محنتوں کا استحصال کیا جا رہا ہے ۔ استحصال اور اس کے نتائج کا ذکر اس نے ایک جگہ ان الفاظ میں کیا ہے :

خواجہ از خون رگ مزدور سازو لعل ناب
از جفائے دہ خدایان کشت دہقانان خراب(۱)

اس نے محسوس کیا کہ اگر دیگر اسلامی ممالک بھی اسی طرح دیر تک غیر مسلم طاقتوں کے زیر نگیں رہے تو وہاں کے باشندوں کا بھی وہی حشر ہوگا جو کشمیر کے مسلمانوں کا ہوا ۔ ان نتائج اور حقائق کو دیکھ اور سمجھ کر اقبال نے اپنے کلام میں غلامی اور محکومی کے خلاف اور آزادی کے حق میں لکھنا شروع کر دیا ۔ اس نے زندگی کی خاصیتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا :

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے آب
اور آزادی میں بحر بے کراں ہے زندگی(۲)

اس نے بتلایا کہ بندگی مختلف شکلوں میں مخفی ہوتی ہے :

قید ہے دربار سلطان و شبستان وزیر
توڑ کر نکلے گا زنجیر طلائی کا اسیر

اس نے مسلمانوں کو مختلف پہلوؤں ، تشبیہوں اور استعاروں سے شرم دلائی تاکہ وہ دوسروں کی غلامی کے بند توڑ دیں ۔ وہ کہتا ہے :

دلا نارائی پروانہ تا کے ——— نگیری شیوۂ مردانہ تا کے
یکے خود را بسوز خویشتن سوز ——— طواف آتش بیگانہ تا کے(۳)

پھر فرماتے ہیں :

چہ قومے فرو مایہ تر سناک ——— کند پاک سناّر خود را بخاک
نگہ دار خود را و خورسند زی ——— دلیر و درشت و تنومند زی

---

۱ - زبور عجم ، صفحہ ۱۳۴ -
۲ - بانگ درا ، صفحہ ۲۹۳ -
۳ - پیام مشرق ، صفحہ ۱۷ -

اسے غلامی سے اس قدر کد ہے کہ اسے خدا سے شکوہ ہے کہ ہر چند مرغان سحر خواں اس کی صحبت میں خورسند ہیں :

لیکن مجھے پیدا کیا اس دیس میں تو نے
جس دیس کے بندے ہیں غلامی پہ رضامند !(۱)

چونکہ اس دیس میں اس وقت انگریزوں کی حکومت تھی اور اقبال کو وہاں رہنے کے سوا چارہ نہ تھا ، اس لئے وہ اپنے من میں ڈوب کر کم از کم قلب کی آزادی حاصل کرتا ہے ۔ وہ کہتا ہے :

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

یہ شیخ و برہمن وہی تھے جنھوں نے لوگوں کے دماغوں پر قبضہ جما رکھا تھا ۔ اور جو حاکمان وقت کی طرح عوام الناس سے خراج عقیدت کے ہمیشہ خواہاں تھے ۔ اور چاہتے تھے کہ لوگوں کے سر ان کے آستانوں پر جھکے رہیں ۔ وہ ان جسمانی اور دماغی حاکموں سے لوگوں کو خبردار کرتا ہے ۔ اور کہتا ہے :

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

غلامی کی لعنت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

آدم از بے بصری بندگی آدم کرد
گوہرے داشت ولے نذر قباد و جم کرد

یعنی از خوئے غلامی ز سگاں خوار تر است
من ندیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد(۲)

۱ - ضرب کلیم ، صفحہ ۱۵ -
۲ - پیام مشرق ، صفحہ ۱۵۷ -

اس کے نزدیک آزادی کا جذبہ صرف انسان کے دل میں نہیں بلکہ دنیا کی ہر شے میں موجود ہے ۔ موجِ دریا کی زبانی وہ کہتا ہے :

موج ہے نام مرا بحر ہے پایاب مجھے
ہو نہ زنجیر کبھی حلقۂ گرداب مجھے

زحمت تنگیٔ دریا سے گریزاں ہوں میں
وسعت بحر کی فرقت میں پریشاں ہوں میں(۱)

اس سے بھی آگے بڑھ کر برق جب اپنی آزادی کھو بیٹھتی ہے تو وہ مرقع حسرت بن جاتی ہے :

وسعت گردوں میں تھی ان کی تڑپ نظارہ سوز
بجلیاں آسودۂ دامان خرمن ہو گئیں

حتیٰ کہ یہ جذبہ حقیر مکھی کے دل میں بھی ہے اور وہ بھی آسانی سے مکڑے کے دام فریب میں نہیں آتی :

مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی
حضرت! کسی نادان کو دیجئے گا یہ دھوکا!

اس جال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیڑھی پہ چڑھا ، پھر نہیں اترا(۲)

اس عزم کے باوجود آخر میں وہ مکڑے کی مکاری سے اس کے جال میں پھنس جاتی ہے اور نہ صرف اپنی آزادی بلکہ زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہے ۔ مظلوموں اور محکوموں کو اسی مکاری سے خبردار رہنے کے لئے اقبال نے ان کو ان الفاظ میں متنبہ کیا ہے :

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری(۳)

---

۱ - بانگ درا ، صفحہ ۵۵ -
۲ - ایضاً ، صفحہ ۱۳ -
۳ - ایضاً ، صفحہ ۲۹۵ -

حکمران کی اس ساحری میں کئی لوگ مختلف ترکیبوں سے اس کا ہاتھ بٹانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں :

شاعر بھی ہیں پیدا، علما حکما بھی خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ!
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پر رضامند تاویل مسائل کو بناتے ہیں بہانہ!(۱)

دوسری جگہ فرمایا ہے :

شیخ شہر از رشتۂ تسبیح صد مومن بدام
کافران سادہ دل را برہمن زنار تاب(۲)

ایک فرد جب اپنی آزادی کھو بیٹھتا ہے تو اس کے مقدر میں سوائے پشیمانی کے اور کچھ نہیں رہتا :

مرد حر زندان میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
میں پشیماں ہوں، پشیماں ہے مری تدبیر بھی!(۳)

غلامی کی لعنت سے نجات پانے اور آزادی حاصل کرنے کے لئے لازم ہے کہ محکوم قوم کے افراد اپنے دلوں میں ذوق یقین پیدا کریں :

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں(۴)

ذوق یقین کے علاوہ وہ آزادی کے لئے محبت کو اکسیر سمجھتا ہے۔ وہ محبت کو نہ صرف فاتح عالم بتاتا ہے بلکہ یہ بھی کہتا ہے :

جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما و تو رہنا(۵)

---

۱ - ضرب کلیم، صفحہ ۱۴۲ -
۲ - زبور عجم، صفحہ ۱۳۴ -
۳ - بال جبریل، صفحہ ۱۳۷ -
۴ - بانگ درا، صفحہ ۲۵۹ -
۵ - ایضاً، صفحہ ۱۷ -

اس امتیاز سا و تو میں خود غرضی کا جذبہ غالب رہتا ہے اور جہاں خود غرضی ہو وہاں آزادی حاصل اور برقرار نہیں رہ سکتی ۔

اس طرح حاصل کردہ آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ قوم کے افراد اپنی خودی کے نگہبان رہیں :

خودی کے نگہبان کو ہے زہر ناب
وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب

وہی ناں ہے اس کے لئے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں گردن بلند(۱)

آزادی برقرار رکھنے کی خاطر اگر عیش و عشرت کی بجائے محنت اور تنگی کی زندگی بسر کرنا پڑے، تو وہ بہتر ہے ۔ فرماتے ہیں :

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں!(۲)

اگر کسی وجہ سے ان کی آزادی محدود ہو جائے تو بھی اپنے دل میں وہ آزادی کی شمع روشن رکھیں :

گرچہ تو زندانی اسباب ہے
قلب کو لیکن ذرا آزاد رکھو(۳)

اقبال کے کلام سے جو اشعار میں نے اب تک پیش کئے ہیں ان کا روئے سخن زیادہ تر سیاسی اور اقتصادی آزادی اور ان کے کھو دینے کے قبیح نتائج کی طرف ہے ۔ لیکن جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا ان اشعار میں بھی کئی جگہ قلب و فکر کی آزادی کی طرف اشارے ہیں ۔ فکر اور قلب کی آزادی کو

---

۱ - بال جبریل ، صفحہ ۱۲۳ ۔
۲ - ایضاً ، صفحہ ۱۹۳ ۔
۳ - بانگ درا ، صفحہ ۲۷۲ ۔

اقبال کے یہاں بڑی اہمیت ہے ۔ اور وہ فکر انسان کو توہمات کی زنجیروں میں گرفتار دیکھ کر نہایت رنجیدہ خاطر ہوتا ہے ۔ جزیرہ صقلیہ کو دیکھ کر دور اول کے عربوں کی نسبت جو خیال اس کے دل میں ابھرتا ہے ۔ وہ یہ ہے :

اک جہان تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور
کھا گئی عصر کہن کو جن کی تیغ ناصبور

مردہ عالم زندہ جن کی شورش قم سے ہوا
آدمی آزاد زنجیر توہم سے ہوا(۱)

اس کو اندھی تقلید سے سخت نفرت ہے اور وہ تحقیق کا زبردست حامی ہے ۔ وہ کہتا ہے :

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی!(۲)

تحقیق کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے وہ غلامی سے اتنا متنفر ہے کہ غلاموں اور محکوموں کو اجتہاد کی اجازت نہیں دیتا :

حلقۂ شوق میں وہ جرات اندیشہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوال تحقیق !(۳)

وہ جانتا ہے کہ تحقیق کے لئے شعور اور خرد سے کام لینا ضروری ہے ۔ چناں چہ وہ کہتا ہے :

وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے
دل ہے ، خرد ہے ، روح رواں ہے ، شعور ہے

اے آفتاب ہم کو ضیائے شعور دے
چشم خرد کو اپنی تجلی سے نور دے(۴)

---

۱ ۔ ایضاً ، ۱۳۱ ۔
۲ ۔ بال جبریل ، صفحہ ۱۷ ۔
۳ ۔ ضرب کلیم ، صفحہ ۱۴ ۔
۴ ۔ بانگ درا ، صفحہ ۳۱ ۔

وہ یہ بھی جانتا ہے کہ زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور ہر زمانے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں جن کو سمجھنے کے لئے قلب و فکر کی آزادی ضروری ہے ۔ وہ کہتا ہے :

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسمان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک(۱)

وہ جانتا ہے کہ ان ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم اکثر تضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں ۔ وہ کہتا ہے :

محفل نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ
رنگ پر جواب نہ آئیں ان فسانوں کو نہ چھیڑ

اسے معلوم ہے کہ اگر کوئی قوم زمانے کے ہمدوش نہ چلے اور فکر فردا سے غافل ہو کر محو غم دوش رہے تو نقصان اس کا اپنا ہوتا ہے ۔ وہ زمانے کی زبان سے کہتا ہے :

نہ تھا اگر تو شریک محفل ، قصور میرا ہے یا کہ تیرا ؟
مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شبانہ !(۲)

وہ جانتا ہے کہ اگر اس معاملے میں دور اندیشی سے کام نہ لیا گیا تو اس کا انجام قوم کے لئے برا ہو سکتا ہے ۔ وہ ہمیں خبردار کرتا ہے :

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے ؟
فقیہہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی !(۳)

اور وہ اس بات پر روتا ہے کہ بہت سے مسلمان بادۂ دو شینہ سے مست پڑے ہیں :

زمانہ از رخ فردا کشود بند نقاب
معاشران ہمہ سر مست بادۂ دو شند(۴)

---

۱ - ایضاً ، صفحہ ۱۹۹ -
۲ - بال جبریل ، صفحہ ۱۲۵ -
۳ - ایضاً ، صفحہ ۷۴ -
۴ - زبور عجم ، صفحہ ۱۲۱ -

میں نے اس مقالے کے شروع میں عرض کیا تھا کہ ہر چند اقبال آزادی کو فرد اور قوم کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے ضروری خیال کرتا ہے اور غلامی اور محکومی کو دونوں کے لئے لعنت سمجھتا ہے تاہم وہ اس آزادی کا حامی نہیں جو بے لگام اور بے اصولی ہو اور جس کا نتیجہ تعمیر کی بجائے تخریب ہو۔ اس نکتے کو وہ کئی طرح سے، تشبیہہ اور استعاروں سے بیان کرتا ہے:

دھر میں عیش دوام آئین کی پابندی سے ہے
موج کو آزادیاں سامان شیون ہو گئیں(۱)

وہ کہتا ہے:

دیکھے لوگے سطوت رفتار دریا کا مآل
موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائے گی(۲)

اگر ہم دور حاضر کی تاریخ پر نظر ڈالیں اور ہٹلر اور مسولینی کے عبرتناک انجام کو یاد کریں بلکہ جو کچھ حال میں مشرقی پاکستان میں ہوا اس کو خیال میں لائیں تو ہمیں ان اشعار کی الہامی عظمت کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ جہاں تک آزادی فکر کا تعلق ہے وہ ہمیں بتلاتا ہے کہ اگر یہ حد اعتدال سے گزر جائے تو فائدہ مند ہونے کی بجائے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ کہتا ہے:

اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد!(۳)

وہ دوبارہ ہمیں خبردار کرتا ہے:

آزادی افکار ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ(۴)

۱۔ بانگ درا، صفحہ ۲۰۷۔
۲۔ ایضاً، صفحہ ۲۱۵۔
۳۔ بال جبریل، صفحہ ۳۲۲۔
۴۔ ضرب کلیم، صفحہ ۱۴۷۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف اقبال آزادی کا ، جس میں فکر اور تدبر کی آزادی بھی شامل ہے ، حامی ہے اور دوسری طرف وہ ہمیں بے لگام آزادی کے خطروں سے بھی خبردار کرتا ہے تو ان دو مختلف زاویوں میں مطابقت کس طرح پیدا کی جائے ۔ اس مسئلے کو وہ ایک نہایت ہی خوب صورت تشبیہہ سے حل کرتا ہے ۔ وہ کہتا ہے :

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بگِل بھی ہے
انھیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے!(۱)

زندگی کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ پابندیاں لگی رہتی ہیں لیکن ایک دانا مرد اور باشعور قوم کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ ان پابندیوں کا لحاظ رکھتے ہوئے بھی زیادہ سے زیادہ آزادی کی راہ تلاش کریں تا کہ وہ صحیح معنوں میں خلیفہ اللہ فی الارض بن سکیں اور اس طرح اقبال کے اس شعر کی چلتی پھرتی ، جیتی جاگتی تصویر بن جائیں :

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین ، کارکشا ، کار ساز(۲)

---

۱ ۔ بانگ درا ، صفحہ ۲۸۲ ۔
۲ ۔ بال جبریل ، صفحہ ۱۳۲ ۔